اسلامی دستور

ادیب اعظم مولانا سید محمد باقر شمسؔ صاحب مدظلہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

جہاد

(عسکری نظام)

دنیا میں جب سے مستقل فوج کی بنیاد پڑی اس کا منشاء رعایا کو دبا کے اپنی حکومت قائم رکھنا ہے۔ دشمن سے مقابلہ کے لئے عام بھرتی ہوتی ہے۔ لیکن امن کی حالت میں اتنی ہی فوج رکھی جاتی ہے جو عوام کو قابو میں رکھ سکے۔ دشمن سے جنگ کا مقصد بھی اپنی حکمرانی کی حفاظت ہے عوام کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ ہر فاتح انھیں اپنی رعایا بنالیتا ہے۔ اگر تسلّط کے بعد کُشت وخون کرتا ہے۔ تو صرف باغیانہ ذہنیت کو کچلنے اور اپنا رعب قائم کرنے کے لئے انہی مقاصد کے لئے ایک تنخواہ دار فوج کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو وقت پر اپنی جان کی بازی لگا کے حکمران وقت کی عیش وکامرانی کی زندگی کی حفاظت کرتی ہے اور اس کے صلہ میں زندگی بھر بیٹھ کے کھاتی اور صلاحیت وکارکردگی عہدہ ومنصب حاصل کرتی ہے۔

اسلام میں سرے سے یہ صورت ہی نہیں وہاں نہ کوئی بادشاہ ہے، نہ حکومت جس کی حفاظت کے لئے کچھ آدمیوں کو نوکر رکھا جائے کہ وہ ہمہ وقت لیس رہیں۔ وہاں تو اپنی حفاظت ہے۔ اس کا معاوضہ کون دے۔ اور کیوں دے۔ جس طرح ایک مسلمان پر نماز وروزہ، خمس وزکوٰۃ وحج واجب ہے اسی طرح جہاد واجب ہے۔ اس صورت میں تنخواہ دار فوج رکھ کے دوسروں سے جہاد کی تکلیف ساقط کردینا ایسا ہی ہے۔ جیسے کچھ لوگوں کو نوکر رکھ کر ایک جماعت سے روزہ رکھوالیا جائے اور پورے ملک سے نماز روزہ کی تکلیف ساقط کردی جائے۔ اگر یہ کہا جائے کہ جہاد واجب ہونے پر پورے ملک کو بھرتی کیا جائے گا تو حالت امن میں کچھ لوگ کھا کھا کے پلتے رہے، جب لڑنے کا وقت آیا تو عوام بلائے گئے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ اسلام میں جہاد کی اسپرٹ یہ ہے کہ جس طرح نماز روزہ کسب معاش، اہل وعیال کی پرورش واجب ہے اسی طرح دشمن سے اپنی حفاظت واجب ہے۔ اسلام نے ہر اس شخص کو جو لڑ سکتا ہے، بلاتعین وسائل اس پر جہاد اور فنون جنگ میں مہارت کو واجب کیا ہے، اس طرح اس نے قوم کے ہر فرد کو سولجر (فوجی) بنایا ہے اور یہ سب رضا کارانہ طور پر کیونکہ اللہ کی راہ میں مستقل اور تنخواہ دار فوج کی جنگ جہاد نہیں۔

اس کے علاوہ اسلام میں جنگ کے بھی کچھ حدود ہیں ان سے تجاوز کرنے میں اسلامی جنگ باقی نہیں رہتی۔ وہ امن وسلامتی کا مذہب ہے۔ اس میں جنگ کی قطعی ممانعت ہے یہ دوسروں کو جری بنانے کی دعوت تھی۔ اس لئے قصاص واجب کیا۔ ولکم فی القصاص حیات قصاص میں تمہاری زندگی ہے۔ اسی قصاص کی ایک صورت جنگ بھی ہوسکتی ہے جس کی حد یہ بتائی: فان قاتلوکم فقتلوھم۔ جو تم سے قتال کرے تم بھی اس سے قتال کرو اور سخت ترین مقابلہ کرو، ڈٹ کر لڑو۔

انّ اللّٰہ یحب الذین یقاتلون فی سبیل اللّٰہ صفاً

کانھم بنیان مرصوص۔

اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔ جو اس کی راہ مین سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جم کے لڑتے ہیں۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ جو ذرا بھی تم پر زیادتی کرے۔ تم بھی اسی کے مثل زیادتی کرو۔ لیکن اس سے زیادہ نہیں۔ اللہ سے ڈرو۔

فمن اعتدی علیکم و اتقوا اللّٰہ و اعلموا ان اللّٰہ مع المتقین۔

جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اسی کے مثل زیادتی کرو، لیکن اس سے زیادہ نہیں اللہ سے ڈرو۔ یہ جان لو کہ وہ متقین کے ساتھ ہے۔

بعض صورتوں میں برابر کے قصاص کی بھی اجازت نہیں، مثلا ہاتھ پاؤں کا ناک کان کاٹنے، زندہ آگ میں جلانے کے بدلے میں صرف قتل کافی ہے۔ ابوالکلام آزادؔ لکھتے ہیں:

''دشمنوں کو زندہ آگ میں جلا دیا جاتا تھا دشمن کے ناک کان کاٹ کے بطور ہار گلے میں پہنے جاتے تھے۔ دشمنوں کو باندھ کر قتل کیا جاتا تھا، کھانے پینے کے لئے راستہ میں لوٹ لینا معمولی بات تھی، لیکن اسلام نے جنگ کی حقیقت کو دفعتاً بدل کے ان تمام وحشیانہ افعال کو مٹا دیا۔ آگ میں جلانے سے قطعاً روک دیا۔''

لا یُعذب باالنار الا رب النار۔ آگ کا عذاب صرف خدا ہی دے سکتا ہے۔ اور غارت مال و متاع سے خاص طور پر مسلمانوں کو روک دیا۔

قال ان انھیت بست فاا حل من المیتہ۔

لوٹ کا مال ایسا ہی ہے جیسے مردار کی لاش۔

(انتخاب الہلال مطبوعہ ادبستان لاہور، ص ۳۹)

جنگ انہیں سے جائز ہے جو ہم سے برسر جنگ ہوں، قرآن نے صاف کہا ہے:

و قاتلوا فی سبیل اللّٰہ یقا تلو نکم و لا تعدوا ان اللّٰہ لا یحب المعتدون۔

اللہ کی راہ میں صرف انہیں سے قتال کرو جو تم سے قتال کرتے ہیں اور اس قتال میں زیادتی کرنے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا۔

ایک دوسری جگہ اس کو یوں فرمایا ہے:

فلا عدوان الا علی الظالمین۔

ظالموں کے سوا کسی پر ہاتھ اٹھانا جائز نہیں۔

ابوالکلام آزادؔ لکھتے ہیں:

''اسلام ایک دین امن و صلح ہے۔ ان حالتوں کے سوا جس میں اس کی بقا کے لئے مدافعت ناگزیر ہو جاتی ہے۔ کبھی خون و قتل کو جائز نہیں رکھتا۔'' (انتخاب الہلال)

جنگ سے غیر متعلق لوگوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنے کی تاکید ہے

لا ینھٰکم اللّٰہ عن الذین لم یقاتلو نکم فی الدّین و لم یخر جو کم من الدیار کم ان تبر و ھم و تقسطوا الیھم ان اللّٰہ یحب المقسطین۔ انما ینھٰکم اللّٰہ عن الذّین قاتلو کم۔ الخ (سورۂ ممتحنہ: آیت: ۸)

جن لوگوں نے تم سے دین کے لئے جنگ نہیں کی تم کو گھر سے نہیں نکالا، ان سے بھلائی کرنے کو اللہ منع نہیں کرتا۔ ان سے بھلائی سے پیش آؤ، کیونکہ اللہ عدل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ تم کو صرف ان لوگوں سے میل رکھنے کو منع کرتا ہے۔ جنہوں نے تم کو گھر سے نکالا، تمہارے دشمنوں کی مدد کی۔ بے شک جو ایسے لوگوں سے دوستی رکھے گا اس کا شمار مسلمانوں پر ظلم کرنے والوں میں ہوگا۔

یہ جنگ بھی اس وقت تک ہے، جب تک دفاع کی ضرورت ہے اسی لئے جنگ میں ابتداء اور بھاگتے کا پیچھا کبھی حضرت علیؑ نے نہیں کیا۔

جب اسلامی معاشرہ پھیل جائے اور مسلمانوں پر کوئی تلوار نہ اٹھا سکے تو جنگ حرام ہے یہی اعلان فتح مکہ کے دن رسولؐ خدا نے کیا تھا کہ جو مسلمانوں پر تلوار نہ اٹھائے گا وہ محفوظ رہے گا۔

السّلم فی الحرب کا مطلب یہی ہے کہ جنگی سرگرمیاں اسی وقت تک ہیں کہ فتنہ وفساد ختم نہ ہو جائے۔

حتیٰ تضع الحرب اوزارھا۔ اسلام کی جنگ امن کے لئے ہے۔ **وقاتلوھم حتی لاتکون فتنة۔**

جامعہ ازہر مصر کے پروفیسر عبدالمتعال السعدی لکھتے ہیں:

''اسلام میں جنگ کو محض دفاعی حیثیت حاصل ہے۔ ناحق کسی کا خون بہانا اور ناجائز طور پر اموال چھیننا اسلام کی رو سے حرام ہے۔ اسلامی تعلیمات کی صرف اسی فریق سے جنگ کرنے کی اجازت ہے جو خود ان سے آمادہ پیکار ہو اور ان کو تباہ کرنے کے درپے ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے: **وقاتلوا فی سبیل اللّٰہ الذین یقاتلونکم ولاتعدو ان اللّٰہ لا یحب المعتدین۔**

اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام جنگ ختم کرنے آیا ہے اور اس کی طرف سے جنگ کی ابتدا کسی صورت سے نہیں۔

(عہد نبوی کی اسلامی سیاست، ص ۱۳۵)

صلح کی اہمیت

یہی وجہ ہے کہ اس نے کبھی صلح کی پیش کش ٹھکرانے کی اجازت نہیں دی اور حکم دیا کہ: **وان جنحوا لِلّسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللّٰہ۔** اگر وہ صلح پر آمادہ ہوں تو اللہ پر بھروسہ کر کے صلح کرلو اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اگر وہ لڑائی سے رک جائیں تو تمہیں اللہ نے یہ حق نہیں دیا ہے کہ تم لڑائی جاری رکھو۔

فان اعتزلکم فلم تقاتلوکم والقوا الیکم السلم۔

لڑائی میں غالب آنے کے بعد دشمن پر سختی کے بجائے باعزت زندگی کا تحفہ پیش کرو۔

فلاتنھوا وتدعوا السلم وانتم الاعلون۔

جزیہ:

اسی مصالحانہ پیش کش کی ایک صورت جزیہ ہے۔ یہ اتنی شریفانہ پیش کش ہے۔ جس سے زیادہ تر خود دشمن بھی

اپنے لئے تجویز نہیں کرسکتا۔ یعنی اس کو اپنے مذہب پر باقی رہنے کی پوری آزادی ہوگی نہ کوئی ٹیکس یعنی خمس وزکوٰۃ اس کو دینا پڑے گا۔ جہاد میں وہ شریک نہیں ہوگا۔ اگر مسلم مملکت سے اپنی حفاظت کی ذمہ داری وہ چاہتا ہے تو ایک معمولی رقم دینے سے حکومت اس کی ذمہ داری قبول کرلے گی۔ اور اگر کوئی اس کو لوٹ لے یا قتل کردے تو حکومت اس کا معاوضہ دے گی بالکل اسی طرح جیسے مکانات وغیرہ کے انشورنس میں ہوتا ہے۔ یہ بات دنیا کے کسی قانون میں نہیں ہے۔

تعزیرات اور پولیس

دنیا کے تمام عقلا اور قانون ساز اخلاقی برائیوں کو معاشرہ کے لئے مضر اور ان کے ارتکاب کو جرم سمجھتے ہیں مگر تمام دنیا میں بہت سے جرائم کی سزا نہیں، صرف بڑے بڑے جرموں کو دست اندازی کے قابل سمجھا گیا ہے۔ اور ان کو روکنے کی تدبیریں ہوئیں مگر رک نہ سکے۔ اسلام نے ذرا ذرا سی برائیوں کو جرم قرار دیا۔ اور کسی کو دست اندازی سے مستثنیٰ نہیں کیا۔ اور اسے روکنے کے لئے ضمیر کو بیدار کرکے نگران بنایا۔ کیونکہ جرم کا تعلق صرف ضمیر سے ہے۔ اس کے بعد مخفی جرم کا ایک نگران ہے۔ جس پر چھپنا اور بچنا ممکن نہیں۔ اس سب کے ساتھ اچھائیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا ہر شخص پر واجب کیا۔

انما المومنون والمومنات بعضهم اولياء بعض تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر۔

مومنین ومومنات آپس میں ایک دوسرے کے نگران ہیں۔ اچھائیوں کا حکم دیتے ہیں، اور برائیوں سے روکتے ہیں۔

یہی اسلام کا امتیاز ہے کہ اس نے ایک کو دوسرے کا نگران بناکے ہر فرد کو پولیس کے اختیارات دیئے ہیں۔

كنتم خيرامت اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتومنون بالله۔

تمام امتوں میں تم بہترین امت اس لئے ہو کہ اچھائیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

یعنی خدا پر ایمان رکھنے والے پر واجب ہے کہ وہ اچھائیوں کا حکم دے، برائیوں سے روکے اور جس کو برائی کرتا ہوا دیکھے تو اس کا چالان کرکے عدالت میں پیش کرے۔

حضرت عمر کے زمانہ میں ان کے سالے قدامہ بن مظعون نے شراب پی، جارود نے حضرت عمر سے شکایت کی انھوں نے کہا میں تحقیق کروں گا اس نے بگڑ کے کہا تم اپنا ہونے کی وجہ سے چھوڑنا چاہتے ہو اور گواہ پیش کرکے اپنے سامنے حد جاری کراکے اٹھا جب نگرانی کی یہ صورت ہے تو پولیس کی کیا ضرورت ہے۔ دنیا میں عہد رسالت ایسا زمانہ تھا جس میں منافقوں اور اسلام سے ناواقفوں کی کثرت کے باوجود اس نظام کی برکت سے جرائم کا پتہ نہیں، گنتی کے لوگ ہیں جن کو رجم، قطع ید یا دڑوں کی سزا دی گئی، کون یقین کرسکتا ہے کہ بغیر فوج اور خزانہ کے حکومت قائم ہوسکتی ہے۔ اور اتنی مضبوط کہ اسّی بیاسی لڑائیاں لڑی جاسکتی ہیں اور بغیر پولیس کے جرائم رُک سکتے ہیں۔

(جاری)